Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 3 (January-March 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

An Exploratory Critical Analysis of the Nature and Effects of the Prophet Muhammad SAW's Relations with Jews in Medina

مدینہ میں یہود سے تعلقات کی نوعیت اور اثرات کا تحقیقی جائزہ

Hafiza Shaheen Ashraf
PhD Scholar, Dept. of Islamic Learning, University of Karachi,
muzammilrana119@gmail.com

Abstract

The Jewish community holds significant historical importance for Muslims, especially in Medina due to their majority presence. Despite their knowledge of prophethood, they often denied Prophet Muhammad SAW. A research study examines how the Prophet treated the Jews of Medina, drawing from various sources including early narrations, verses, and contemporary research. It portrays Prophet Muhammad SAW as kind to all, yet unwavering in upholding rules. While not presenting new claims, the research underscores the complexities of the Prophet's relationship with the Jews and his strategies for social cohesion. Historical data suggests the Prophet aimed to honor agreements but responded firmly when breached, leading to harsh treatment and expulsion of Jews to maintain order and peace, showcasing the resolve of the Muslim community in Medina.

Keywords: Jewish community, Medinah, Eliminate, Relationship, Treaty

CC BY

تعارف:

ادیان کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ ایک بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ دین حق کی مزاحمت کرنے کی خدمت سب سے بڑھ کر جوش ایمانی کے ساتھ. پیشہ اہل مذہب ہی نے سر انجام دی ہے۔ اہل مذہب جن کو دین حق کی دعوت کی پہلی آواز سنتے ہی اولین صفوں میں جا کھڑا ہونا چاہیے وہی ہمیشہ " اولیں مخالف" بنتے رہے ہیں۔ اہل مذہب ابتداء میں مذہب کے خادم اور علمبر دار ہوتے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ جب انکا ایک مرتبہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے کچھ مفاد مذہب سے وابستہ ہو جاتے ہیں تو پھر وہ مذہب کو اپنا تابعدار بنالیتے ہیں، وہ آہستہ آہستہ مذہب کے نام پر اپنے کچھ مستقل حقوق پیدا کر لیتے ہیں، پیروان مذہب سے وہ کچھ اپنے طبقاتی مطالبات منوالیتے ہیں اور کچھ اعزازات ان کیلئے مخصوص ہو جاتے ہیں۔ مذہب اپنے پیروؤں کے دور زوال میں ہمیشہ انہی مراحل سے دوچار ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مذہب ایک اچھے نفع بخش کاروبار کی سطح پر آجاتا ہے اور وہ ایک موروثی جاگیر بنتا ہے۔ یہاں پہنچ کر وعظ مال تجارت بن جاتے ہیں۔ علم ذریعہ معاش ٹھہرتا ہے۔ فتوے متاع بازار بن کر اپنا ایک مارکیٹ ریٹ پیدا کر لیتے ہیں۔ دینی مناسب، روحانی قیادت واقتدار کا زمانہ قرار پاتے ہیں۔ اس مقام پر جب ایک بار اہل مذہب آپہنچتے ہیں تو پھر ان کا کاروباری ذہن ہر معاملے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ہمارا مفاد محفوظ رہتا ہے یا نہیں، اور ہمارا منصب اور ہماری پوزیشن کسی اور طرف تو منتقل نہیں ہوئی جاتی۔ کاروباری ذہن جب ان اوصاف کے ساتھ دائرہ مذہب میں آگھستا ہے تو اہل مذہب کسی کی طرف سے اختلاف کو گوارہ نہیں کر سکتے اور نہ کسی بڑے مقصد کے لئے دوسروں کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ اپنے اندر کسی کمزوری یا غلطی کو ماننے اور اس کی اصلاح کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ قیادت واٹر کی کرسی چھوڑ کر کسی کسی دوسرے کی دعوت پر ادائے فرض نہیں کر سکتے۔ ٹھیک ہیں مقام تھا جس کی آخری سرحد پر یہود آپہنچے تھے۔ وہ یہ ہر گز نہیں مان سکتے تھے کہ حق ان کے گروہی دائرہ کے باہر بھی پایا جاسکتا ہے۔ وہ نہیں مان سکتے تھے کہ ان کے پیچھے لگ کر چلے بغیر بھی کوئی راہ یاب ہو سکتا ہے، وہ نہیں ماں سکتے تھے کہ رہنمائی کا منصب کسی دوسرے کو بھی مل سکتا ہے۔

یہودی نفسیات:

مخالفت قریش مکہ نے بھی کی اور مخالفت یہود نے بھی کی۔ اور دونوں میں سے کسی نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، مگر دونوں کے مخالفانہ پارٹ میں بڑا بھاری فرق ہے۔ جب ہم تجزیہ موازنہ کر کے دیکھتے ہیں تو اولین حقیقت سامنے آتی ہے کہ قریش مکہ کی مخالفت میں اصل کار فرما روح جذبہ استکبار کی تھی۔ لیکن یہود پر حسد کا جذبہ چھایا ہوا تھا۔ وہاں احساس برتری کی بیماری تھی اور یہاں احساس کمتری کا روگ تھا۔ اس لئے وہاں کھلا کھلا انکار اور تصادم تھا اور یہاں مکاری اور عیاری کا مزاج مخالفانہ سرگرمیوں میں نمایاں تھا۔ وہاں بہادرانہ جسارت تھی اور یہاں بزدلانہ شرارت، وہاں مخالفت سیدھی تشدد کے رخ پر ارتقاء کرتی رہی تھی۔ لیکن یہاں وہ نجویٰ اور سازش اور نفاق کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ مکہ میں صرف مسلم اور کافر دو گروہ تھے لیکن مدینہ میں مسلم اور کافر

CC BY

طاقتوں کے بیچ میں ایک تیسرا کردار نفاق کا بھی نمودار ہو گیا۔ اس مطالعہ سے اندازہ کیا جا گتا ہے کہ جامد مذہبیت اور فاسد دین داری کھلے کھلے کفر و شرک اور صریح جاہلیت سے زیادہ پست فطرت رکھتی ہے اور مخالفت حق میں زیادہ گھٹیا کردار پیش کرتی ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس رزم کفر و دین میں یہود کی جامد مذہبیت اور فاسد دینداری نے اسلام کے مقابلے پر کفر و شرک کی طاقت کے پلڑے میں اپنا پورا پورا وزن تعاون ڈال دیا۔ حالانکہ بڑے سے بڑے اختلاف کے باوجود اسے خدا پرستانہ واخلاق پسندانہ مسلک کے علمبر داروں کے ساتھ زیادہ علمبر داروں کے ساتھ زیادہ ہمدردی ہونی چاہئیں تھیں۔ زیادہ سے زیادہ گنجائش اس بات کی ہو سکتی تھی کہ یہود مخالفت اسلام میں اپنی پوزیشن کفار و مشرکین سے بالکل الگ ممیز رکھتے۔ لیکن "تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم" کی دردمندانہ پکار سننے کے باوجود انہوں نے انسان اعظم ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے پاکیزہ دینی انکار واعمال کو چھوڑ کر ابو جہل اور ابو لہب جیسے گھٹیا انسانوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور جامد مذہبیت اور فاسد دین داری کا یہ بھی ہمیشہ تاریخی رول رہا ہے کہ وہ معرکہ کارزار میں دینی محاذ پر کسی قیمت کے عوض بھی اپنا تعاون پیش نہیں کر سکتی۔ بلکہ لازماوہ دین کی دشمن طاقتوں کی گود میں جا گرتی ہے۔ اس کا قاردرہ ہمیشہ کفر والحاد اور فسق و فجور کے پیکروں سے ملتا ہے۔ یہاں گفتگو چند افراد متشنی افراد پر نہیں ہو رہی جو کسی گروہ کے اندر سے بدترین دور فساد میں بھی بر آمد ہوتے ہیں۔ ہم عمومی کلیہ اخذ کر رہے ہیں۔

یہ تھا موقف جو یہود نے لیا۔ وہ اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور علم و تقویٰ کے سارے ہتھیار سنبھال کر تخریب پسندانہ منفیت کے مورچوں پر جاؤئے اور انہوں نے عملا کفار و مشرکین کو اپنا پورا تعاون کر دیا۔ انہوں نے داعی حق اور تحریک اسلامی اور اس کے کارکنوں کے خلاف پھبتیاں کسیں، مذاق اڑائے، نت نئے سوالات اور اعتراضات گھڑ گھڑ کر کٹ حجتیاں کیں، الزامات لگائے، پروپیگنڈے کے طوفان اٹھائے، مخبریاں اور جاسوسیاں کیں۔ مسلمانوں کو باہم دگر لڑانے کے منصوبے تیار کئے۔ تغیر و تفسیق کے فتوے لگائے۔ رحمت عالم ﷺ کے قتل کی تدبیریں کیں۔ اور جنگ اور ایمر جنسی کے حالات میں سخت قسم کی غداریاں کیں۔ اپنی طرف سے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ لیکن شروع سے آخر تک یہ ایک بڑے مغالطے میں رہے اور منفی مزاج کی تخریبی مہموں کو اٹھانے والی طاقتیں ہمیشہ اس مغالطے میں رہتی ہیں لیکن بعد والوں کو اس سے سبق لینے کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ کسی اصولی اور تعمیری تحریک کا توڑ ایسے لوگ کامیابی سے کر سکتے ہیں جو خود بے اصول ہوں، کوئی تعمیری نقشہ نہ رکھتے ہوں اور جو اخلاقی پستی کی آخری گہرائیوں میں جا گرے ہوں۔ در حقیقت ایسے لوگوں کا پارٹ بالکل اس نوعیت کا ہوتا ہے جیسے پڑھتے سورج کی شعاع افگنی سے چڑ کر چمگادڑ فضا میں اپنے پر پھیلا کر زمانے کو تاریک رکھنے کے درپے ہوں۔ جیسے شہسواروں کے کسی دستے کا راستہ روکنے کیلئے چند مچھر اور چند مکھیاں اپنی بھنبھناہٹ کا پورزور شور دکھادیں۔ جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر کوئی گنوار اس کی طرف منہ اٹھا کر تھوک دے۔[1]

جن لوگوں میں خود اپنی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہی ہو، جن کے پاس کوئی جاندار پیغام موجود نہ ہو، جن کا اخلاق و کردار زمانے کیلئے کوئی جاذبیت نہ رکھتا ہو، اور جن سے کسی تعمیری خدمت کی توقع انسانیت کو نہ رہی ہو، وہ محض دوسروں کا راستہ روک کر اور ان کا

CC BY

منہ چڑا کر اپنا کوئی مقام نہیں بنا سکتے۔ جن کے پاس جمود، فسادہ بگاڑ اور تخریب کے سوا اور کوئی متاع حیات باقی نہ رہی ہو۔ وہ اصلاحی تعمیری کام کرنے والی کسی متحرک طاقت کے منہ آ کر اپنے اندر قدر و قیمت پیدا نہیں کر سکتے۔ انجام کار ایسوں کے حصے میں ذلت و نا مرادی کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ مگر جب جذباتی رد عمل کی رو میں بہہ کر کوئی فاسد طاقت اندھی ہو جاتی ہے تو پھر وہ انجام کو نہیں سوچتی۔ بس آگے ہی آگے بڑھتی جاتی ہے۔ یہود کی فاسد طاقت بھی احساس کمتری اور حسد کے مارے اندھی ہو کر اسلام سے الجھنے لگی۔

یہود کا کردار مسلمانوں کے کردار کے بالمقابل رکھ کر دیکھنے سے ایک نتیجہ یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ سچائی کے کسی علمبردار کی صدا پر لبیک کہنے والوں کا اخلاق جتنا بلند ہوتا جاتا ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والوں کی سیرتوں میں اتنا ہی زوال پیدا ہوتا جاتا ہے، مثبت تحریک اپنے دائرہ میں انسانیت کو جتنا زیادہ سنوارتی ہے، منفی رد عمل اپنے حلقہ میں اتنا ہی زیادہ فساد اور بگاڑ پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

مدینہ طیبہ کا قدیم ترین نام طابت ملتا ہے۔ پھر طیبہ (بغیر تشدید کے) اس کا ایک محلہ جو ابتداء الگ گاؤں ہو گا، یثرب کہلاتا تھا۔ یہ اب جبل احد کے جنوب مغرب میں بتایا جاتا ہے جہاں پانی اور نخلستان کثرت سے ہیں۔ مدینہ بھی خاصا قدیم نام ہے ممکن ہے یہودیوں کے ایک مرکز کا نام ہو۔ بہر حال وہ زمانہ اسلام میں مدینہ النبی کے نام سے پورے عرب میں مشہور ہوا۔

اس بستی میں یہودی آبادی خاصی قدیم تھی لیکن اس میں عربیت اتنی آگئی تھی کہ ان لوگوں کے نام اور گھریلو زبان بھی عربی ہو گئے تھے اور سماج بھی قبیلہ دار بن گیا تھا، لیکن اس میں بھی تنظیم تھی۔ ان کا ایک بیت المدارس تھا جو نیم عدالتی نیم علمی گویا دارالافتا تھا۔ ان میں قبیلہ دار کنز بھی تھا یعنی وہ مال جو وہ اتفاقی قومی ضروریات کے لئے چندہ کر کے جمع کیا کرتے تھے یہاں یہ امر تو ذرا بے محل ہو گا کہ مدینے کے یہودیوں کی پوری تاریخ سے بحث کی جائے (جس کا مواد بھی کم ہے) یا مدینے پر یہودی اقتدار کے زمانے میں یمن کے ایک تبع (حکمران) کی حملہ آوری کی تحقیق کی جائے لیکن بہر حال آج بھی مدینے کے جنوبی حصے میں وادی حقیق کے ایک پر فضا مقام پر بر عروہ سے متصل ایک پہاڑی پر یمنی خط مسند میں کئی کتبے اب (1362) تک موجود ملتے ہیں جن میں لوگوں کے ناموں کے سوا کوئی چیز نہیں معلوم نہیں یہ کتبے کب کے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی آمد سے عین پہلے مدینہ منورہ کی آبادی کے دو بڑے طبقے ہو گئے تھے۔ بت پرست عرب اور یہودی۔ ان میں آپس میں پھوٹ بھی تھی اور نتیجہ یہ تھا کہ چند عرب اور چند یہودی قبائل ایک طرف اور باقی عرب اور باقی یہودی قبائل دوسری طرف حلیفی کر چکے تھے اور ان میں وقتاً فوقتاً خون ریزی بھی ہوتی رہتی تھی۔ ایسی آخری جنگ جو یوم بعاث کے نام سے مشہور ہے اتنی تلخ رہی تھی کہ اب اہل مکہ سے بھی اس میں شرکت کی کوشش ہونے لگی تھی اور ایسی ہی کوشش کے ایک وفد سے رسول اکرم ﷺ کی بیعت عقبہ عمل میں آئی تھی۔[2] مدینہ منورہ میں ہجرت نبوی ﷺ کے وقت آبادی میں یہودی کم و بیش چالیس پچاس فیصد نظر آتے ہیں لیکن مابقی عرب آبادی کے مقابلے میں ان کی دولت مندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابن النجار کی تاریخ مدینہ کے مطابق کسی زمانہ میں اگر

CC BY

ان یہودیوں کے پاس 59 آطام یعنی گڑھیاں تھیں تو عربوں کے قبضے میں صرف 13- یہ یہودی زیادہ تر تین قبیلوں بنی قینقاع بنی النضیر اور بنی قریظہ میں منقسم تھے۔ ان آپکی میں پھوٹ اتنی تھی کہ بعض قبیلے اگر عرب قبیلہ اس کے حلیف تھے تو دوسرے قبیلے قبیلہ اوس کے عرب قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اور آپس میں جنگ کرتے رہتے تھے انکے علاوہ بنی قریظہ وغیرہ کچھ میں چھوٹے یہودی قبیلے بھی تھے۔[3]

ان میں قینقاع عزت و حرمت میں سب سے ممتاز مانے گئے ہیں غالباً اس کی وجہ تونگری تھی۔ قینقاع کے معنی سنار کے ہیں اور بظاہر ان کا پیشہ زیور سازی زیور فروشی اور سودی قرضہ دہی تھا۔ نضیر تازہ درخت یا پودے کو کہتے ہیں۔ اور واقعی یہ قبیلہ نخلستان کا مالک اور زراعت پیشہ تھا۔ بنی قریظ سب سے جنگجو بتائے گئے ہیں۔ قریہ اس درخت کو کہتے ہیں جو عرب میں دباغت کیلئے خاص طور پر کام آتا ہے اور یہ پیشہ ور چمار تھے اور جوتے وغیرہ بنایا بیچا کرتے تھے۔ مگر یہ کم ذات اور حقیر سمجھے جاتے تھے چنانچہ آیت کی تفسیر میں النسفی وغیرہ مفسر لکھتے ہیں کہ کسی قریظی یہودی کا خون بہا نضیری یہودی سے آدھا ہوا کرتا تھا رسول اکرم ﷺ مدینہ آئے ۔اس ناانصافی کو منسوخ قرار دے کر مساوات کا حکم دیا۔(اس احسان کے وجود جنگ خندق کے وقت قریظیوں نے جو غداری کی اس کا ذکر آگے آئے گا۔ کعب بن الاشرف نظیری تھا یا آنحضرت ﷺ کے اس انصافانہ حکم پر آپ کی جان کا دشمن بن گیا جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔[4] باوجود دولتمندی کے ان یہودیوں کی حیثیت نو وارد مہمانوں کی معلوم ہوتی ہے، اصلی باشندوں کی نہیں کیونکہ جب ایک ہجری میں شہری مملکت مدینہ قائم ہوئی اور یہ یہودی قبائل بھی اس میں شامل ہوئے تو الگ وحدتوں کے طور پر نہیں بلکہ نو خالص عرب قبیلوں کے موالی کے طور پر[5] یہودی مدینے کی زراعت تجارت اور صنعت پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔[6] مدنی عرب تو جن اسباب سے بھی اسلام کی طرف مائل ہوئے ہوں ان یہودیوں کے لئے کوئی خاص ترغیب یہ ظاہر نہ تھی۔ ایک پرانا مذہب رکھتے تھے اور اس پر وہ شدت سے دل بستہ تھے۔ اور ان کی دینی و دنیوی ضرورتیں اس سے ہر حال پوری ہو رہی تھیں۔ ان کی مالی و معاشی حالت بھی ہمسایوں سے اچھی تھی ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا۔ ان کے پاس ایک الہامی کتاب تھی اور اس طرح وہ ذہنی حیثیت سے بھی اپنے لئے بدوی عربوں پر ایک فوقیت محسوس کرتے تھے بلاشبہ ان کی مذہبی روایتوں میں ایک آخری نبی کی بشارت اور پیشین گوئی تھی۔ لیکن یہ کہنا دشوار ہے۔ کہ وہ اس کے عربوں میں سے ہونے کی کسی حد تک توقع کرتے تھے البتہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ بعثت نبوی ﷺ کے وقت وہ ایسے نبی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے جیسا کہ یورپی مورخ بھی اب تسلیم کرنے لگے ہیں مگر یہودی کہتے تھے کہ اس نبی کی مدد سے خود حکمراں جماعت پر بنائے نسل بن جائیں "انّ اکرکم عند اللہ اتقاکم "تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو) [7] کی عمومیت انہیں پسند نہ آسکتی تھی لیکن خود رسول اللہ ﷺ کا مدینہ آنے اور پناہ گزین مہاجرین مکہ کو بسانے کے فوری کام سے فارغ ہونے کے بعد یہودیوں کی طرف متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔ مکی عہد کے اواخر میں توریت کی بشارتوں پر زور دیا جانا شروع ہو چکا تھا اور اب یکایک ہزاروں یہودیوں

سے رات دن شہر کی گلیوں میں بھیڑ رہتی تھی ویسے بھی سیاسی اور دفاعی ضرورتوں سے جب تک شہر مدینہ کی اس تقریبا پچاس فیصدی آبادی سے سمجھوتہ نہ ہو کوئی انتظام قابل اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔

بنی قینقاع سے تعلقات کے سلسلے میں جو تبلیغی انداز ہے وہ قدیم ترین معلوم ہوتا ہے اس میں ان کو آپ حلف دے دے کر پوچھتے تھے کہ "کیا توریت میں میری پیشین گوئی نہیں ہے۔ اگر تم قسم کھا کر کہو کہ نہیں ہے تو پھر تم سے کوئی مواخذہ نہیں اس میں ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں اور توریت کی بشارتوں کے مصداق پر ایمان لانے کی دعوت یہی کہ کر دی گئی ہے کہ اگر واقعی توریت میں ذکر نہ ہو تو پھر تم سے کوئی خصوصی مطالبہ نہیں غالباً یہ مکتوب بھی اس زمانے کا ہے اور خصوصی قاصد کے ذریعے سے خیبر بھیجا گیا تھا۔ مگر اس کا کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا بلکہ مسلسل ایسے اتفاقات ہی پیش آتے رہے جن سے تعلقات کبیدہ تر ہی ہوتے چلے گئے۔ [8] یہ تو ٹھیک طور سے معلوم نہیں کہ صحیفہ یعنی شہری مملکت مدینہ کا دستور کب مرتب اور نافذ ہوا۔ لیکن مورخ یہ صراحت کرتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی سب سے پہلے بنی قینقاع نے کی۔ واقعات کی پوری تفصیل تاریخوں نے محفوظ نہیں کی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ 3ھ کے وسط میں ان یہودیوں نے زمانہ جاہلیت کی بعض گندی عادتوں کے تحت ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی کی جس پر کچھ کشت وخون ہوا۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاست یہ تھی کہ ہر چیز پر تبلیغ دین مقدم رہے۔ چنانچہ اس عہد شکنی اور فساد کے سلسلے میں بھی آپ نے ان کے پاس جا کر انہیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ انہوں نے نہ معلوم کیا جواب دیا کہ بات بڑھ گئی اور مسلمانوں نے ان کے محلے کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ دن کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی غیر مشروط اطاعت پر بروایت ابن القیم مکر رانہیں تبلیغ اسلام فرمائی اور جب نہ مانا تو اسے منظور فرمایا کہ یہ لوگ اپنی غیر منقولہ جائیداد بیچ کر اور منقولہ جائیداد ساتھ لے کر تین دن کے اندر مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں مگر ہتھیار ضبط کر لئے گئے ان کے اخراج کی نگرانی کے لئے آنحضرت ﷺ نے بروایت طبری ایک خصوصی افسر مقرر فرمایا تھا ان کی تعداد سات سو بیان کی جاتی ہے کہتے ہیں کہ یہ لوگ اذرعات (فلسطین) جا بسے۔ لیکن ان کو اجازت تھی کہ جب چاہے تجارت کے لئے مدینہ آیا کریں۔ بشرطیکہ قیام تین دن سے زائد نہ ہو۔[9] یہاں دو ایک امور قابل ذکر ہیں ایک تو یہ کہ بعض بعد کے سالوں میں مدینے میں بنی قینقاع کے یہودیوں کا مسلسل پتہ چلتا ہے۔ اگر سب کی ہوئی تو آیا بعد میں انکے متعین افراد کو معافی دے کر اجازت ہوئی کہ مدینہ میں اور اپنی دست کاری سنار کا کام انجام دیں۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ جن مولفوں نے بعد کے زمانے میں ان کا ذکر کیا ہے وہ کوئی سہو بیانی ہو کر بنی قینقاع کے یہودیوں نے 3ھ میں معرکہ احد میں مسلمانوں کو اپنے تعاون کا پیش کش کیا۔ 5ھ میں بنی قریظ سے جنگ ہوئی تو بھی مسلمانوں کا ہاتھ بٹایا[10] اور 7ھ میں خیبر میں بھی مسلمانوں کو مدد دی اور انعام حاصل کیا مگر ایک بار سہو بیانی ہو گی بار بار نہیں بہر حال یہ لوگ زراعت پیشہ نہیں بلکہ دست کار تھے۔ ان کے رہنے کے مکانوں کی جگہ آج مدینہ منورہ میں چٹیل میدان کے سوا کچھ باقی نہیں تاریخ میں سوق بنی قینقاع کا بھی ذکر آتا ہے۔ غالبا یہ دستکاری کے علاوہ تجارت بھی کرتے تھے۔ انصار کے بعض قبائل کی بنی قیقاع سے تاحال دفاعی

CC BY

حلیفی تھی لیکن اب ان مسلمان انصار نے اس حلیفی سے دستبرداری دی۔ اور آنحضرت ﷺ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ البتہ ان کی اطاعت کے بعد یہ پاس حلیفی ان کے ساتھ بعض انصار خاص کر عبد اللہ بن ابی بن سلول نے نرمی کی سفارش ضرور کی۔ اس لڑائی میں دیگر یہودی ناطرفدار رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہودیوں سے معاہدہ اجتماعی نہ تھا بلکہ ہر ہر یہودی قبیلے کے ساتھ انفرادی طور پر ہوا تھا۔ دستور مدینہ کے معاہدے میں قینقاع کا نام بھی نہیں ہے بلکہ یہ کہ فلاں فلاں عرب قبیلے کے یہودی۔ یہ تک صراحت سے نہیں معلوم ہوتا کہ دستور مدینہ میں مذکور ان قبیلوں میں سے کوئے بنو قینقاع کے ہیں کونے بنو النضیر کے اور کونسے بنو قریظ کے البتہ استنباط یوں ہو سکتا ہے کہ ابن ہشام کے مطابق بنی قینقاع کی حلیفی عبد اللہ بن ابی بن سلول سے تھی۔ یہ بنی عوف بن خزرج کا رفرد تھا۔ اور یہود بنی عوف کا جو ذکر دستور مدینہ کے 25 میں ہے اس سے قینقاع مراد ہو سکتے ہیں۔[11] یہودیوں میں آپس میں جتنی بھی پھوٹ رہی غیروں کے مقابلے میں وہ اپنوں کی بیچ بہت کرتے ہیں بنی قینقاع کی جلاوطنی کے بعد مدینے کے مابقی یہودی اسلام اور مسلمانوں سے دل ہی دل میں کھٹک گئے ہوں تو بعید نہیں لیکن دو سال تک ان کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر حالات کا پتہ نہیں چلتا گمان کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان میں تبلیغ کرتے رہے ہوں گے اور مباحثہ مناظرہ بھی عام مسلمانوں سے ہوتا رہا ہو گا۔ اور معدودے چند کے سوا کسی نے اسلام قبول نہ کیا ہو گا۔ سورہ بقرہ ہجرت کے بعد نازل شدہ پہلی سورت سمجھی جاتی ہے اس میں شروع سے آخر تک بنی اسرائیل ہی کا قصہ ہے اور ان مباحثوں کا گویا جیتا جاگتا تذکرہ ہے ان کو خدا کی وہ نعمتیں یاد دلائی جاتی ہیں جو پے در پے ان پر ہوتی رہیں ان کی طرح طرح سے دلداری کی جاتی ہے ان کے متعلق ایک ہی سورۃ میں دو دو مرتبہ صراحت کے ساتھ انی فضلتکم علی العالمین" (یعنی" میں نے تم کو سارے عالموں پر فضیلت دی) [12]۔ انہی کی مذہبی کتابوں میں رسول عربی ﷺ کی آمد کی جو پیشین گوئیاں ہیں وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں۔ ان کے تمام انبیاء کو مسلمانوں کے بھی انبیاء تسلیم کیا جاتا ہے حتی کہ یہ کہنا چاہئے کہ انہیں ایک بنیادی مذہب کے (جو اقل قلیل معتقدات پر مبنی تھا) قبول کرنے میں شرکت کی دعوت دیجاتی ہے کہ مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صحابی سب اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور عمل صالح کرتے رہیں۔[13] لیکن آساں نہیں مسلمان ہونا"۔ پھر بھی ابھی ہمارے اس پیکر استقلال ﷺ کو ان سے بالکل ہی مایوسی نہیں ہوئی ہو گی۔ اس اثناء میں بیت المقدس کی جگہ کعبے کو مسلمانوں نے اپنا قبلہ بنالیا۔ یہودی اس پر بھی بھنائے ہوں گے۔ بنی قینقاع کے واقعے کو چند ہی مہینے گزرے تھے کہ احد کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کے ہاتھوں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا اور اسلامی حکومت ختم ہوتے ہوتے رہ گئی یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ اس میں یہودیوں کا کتنا ہاتھ تھا لیکن ابن کثیر وغیرہ سے اس کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ جنگ بدر کے بعد کعب بن الاشرف نامی ایک یہودی (جس کی ماں بنو النضیر کے قبائل سے تعلق رکھتی تھی) قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی خفیہ دعوت دیتا اور اپنی مدد کا یقین دلاتا رہا۔ حکومت اسلامیہ کی خبر رسانی کا نظام قابل رشک تھا۔ آنحضرت ﷺ کو اس ساز باز کی اطلاع ہو گئی اور مسلمان مورخ صراحت سے تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہی کے روانہ کردہ کارندوں نے اس غدار باغی کو دنیا سے رخصت کر دیا۔[14]

CC BY

کعب بن الاشرف اپنی عاشق مزاجی کے لئے بدنام تھا۔ اس کروڑپتی کا اپنی دولت کو اس سلسلے میں لٹانا عربوں ہی میں نہیں یہودیوں میں بھی اس کے خلاف غم وغصے کے جذبات بھڑکاتا رہا ہو گا چنانچہ اس کے قتل پر کوئی رد عمل مدینے کی یہودی آبادی میں نہیں ہوتا ہے۔ کعب کا شاندار محل نہ معلوم کتنا پر تکلف رہا ہو گا۔ آج بھی اس کے کھنڈر مدینے کے جنوب میں سیاح کو متاثر کر دیتے ہیں یہ قصر ایک اچھا خاصا قلعہ ہے۔ محاصرے کی صورت میں اس کے اندر پانی کا انتظام ہے اور صرف ایک کنواں ہی نہیں بلکہ ایک شاندار حوض بھی جس کے کئی حصے ہیں اور ایک دوسرے میں نلکوں (پائپ) کے ذریعے سے اتصال ہے بظاہر پانی کی صفائی کا انتظام تھا۔ صحیفہ مدینہ میں یہودیوں سے علاوہ دفاع حلیفی کے سماجی بیمے میں شرکت کا بھی اقرار تھا یعنی اگر کوئی خوں بہا ہرجانہ دینا ہو تو تعاون کیا جائے گا معرکہ احد کو چند مہینے گزرے تھے کہ 4ھ میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ قصہ یوں ہوا کہ نجد کے قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ کے ایک سردار ابوبراء ملاعب الاسنہ نے (جسے آنحضرت ﷺ نے اسلام سے قبل حرب فجار میں نیزہ مارا تھا) مدینہ آیا اور اگرچہ اپنے جھوٹے غرور کے باعث مسلمان تو نہ ہوا لیکن ذات رسالت ﷺ کا گرویدہ ہو گیا اور علاج وغیرہ کے لئے دوستانہ خط وکتابت بھی جاری رکھی۔ اپنے سفر مدینہ کے وقت اس نے آنحضرت اللہ سے درخواست کی کہ کچھ مبلغ اسکے علاقے میں بھیجے جائیں اور یہ کہ وہ ان کی حفاظت کا ذمہ دار رہے گا۔ اس ابوبراء اور اس کے بھتیجے عامر بن الطفیل میں سخت ان بن تھی۔ جب ستر مسلمان مبلغ نجد بئر معونہ پہنچے اور رسول اکرم ﷺ کا ایک تبلیغی خط عامر بن الطفیل کو پہنچایا تو اسے پڑھے بغیر اس کو چاک کر دیا اور جوش غضب میں دوستوں ہمسائیوں کی مدد سے ان مبلغوں پر اچانک دھاوا بول کر سب کو قتل کر دیا۔ صرف ایک حضرت عمرو بن امیہ الضمری کی جاں بخشی کی۔ حضرت عمرو بن امیہ پیدل مدینہ واپس آئے اور مدینے کے مضافات میں اس دشمن قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ کے دو آدمیوں کو پایا (یہ مسلمان ہو چکے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک امن نامہ بھی لکھ دیا تھا حضرت عمرو بن امیہ نے ان سے یہ تو معلوم کیا وہ بنی عامر سے ہیں اور مزید تفصیل نہ پوچھی اور پھر موقع پا کر دونوں کو اس تصور میں قتل کر دیا کہ بئر معونہ کے شہید مبلغوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو اس قتل خطا پر دیت (خون بہا) سرکاری خزانے سے دینے کا فیصلہ فرمایا۔ بنی النضیر کا پوری قبیلہ جس سے یہاں بحث ہے مذکورہ بنی عامر کا حلیف تھا تمام بنی عامر پر مبلغین کے قتل کے باعث جو ذمہ داری تھی اس میں بنی عامر کے سارے حلیف بھی شریک سمجھے جاسکتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔ مسلمان حضرت عمرو بن امیہ کے مقتول عامریوں کا خون بہادیں اور بنی عامر شہدائے بئر معونہ کا اس سلسلے میں بنی النصیر، مسلمانوں اور عامریوں دونوں کے حلیف ہونے کا باعث ہر طرح موزوں تھے کہ گفت وشنید میں مابین کا کام دیں۔ اسی سلسلے میں رسول اکرم ﷺ بذات خود بنی النصیر کی بستی کو گئے جو مسکن نبوی ﷺ سے کئی میل دور جنوب میں واقع ہے اور وہیں وہ سب پیش آیا جو پیش آیا۔ چنانچہ معمولی وسائل سے توجہ دہانی کے بعد آنحضرت سے ﷺ خود متعلقہ قبائل یعنی بنو النضیر کی بستی میں بعض اکابر صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے[15] اور صورت حال سے آگاہ کر کے معاہدائی فرائض یاد

دلائے۔ انہوں نے ٹال مٹول کی اور انتظار کرایا۔ دھوپ تیز ہونے لگی تو مورخ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک سیوری گڑھی کے سائے میں جابیٹھے یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ گڑھی پر سے چکی کے پاٹ گرا کر کعب بن الاشرف وغیرہ کا انتقام لیا جائے۔ آنحضرت کو پتہ چل گیا اور آپ اس طرح وہاں سے چلے گئے کہ شبہ نہ پیدا ہو۔ لیکن یہ اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ بنو النضیر کی گھنے نخلستان میں گھری ہوئی بستی کا محاصرہ کیا گیا جو مدینے کے جنوب میں ہے اور جب کافی کشمکش کے بعد جس میں جنگی ضرورتوں سے ان کے نخلستان کا کچھ حصہ بھی کاٹ کر صاف کرنا پڑا تھا، انہوں نے اطاعت قبول کی تو ان کے ساتھ کافی رعایت کی گئی ہر شخص کو ایک ایک اونٹ سامان لیکر مدینے سے چلے جانے کی اجازت دی گئی، ہتھیار اس سے مستثنیٰ تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ انہوں نے سرزوری دکھائی اور گانے بجاتے اس طرح مدینے سے گئے گویا فتح انہی کی ہوئی ہے انہوں نے گھر اور باغ تو بے شک چھوڑے لیکن اثاث البیت میں سے دروازے اور چوکھٹ تک اکھاڑ لے گئے اور وعدے کی فیاضانہ تعبیر کے باعث آنحضرت ﷺ نے ان سب کو روا رکھا۔[16]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنو نضیر نے جلا وطنی کے حکم پر توجہ دلائی کہ ان کے قرضے مقامی باشندوں سے وصول طلب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا "صنعوا وتعجلوا" (رقم کچھ گھٹا کر میعاد سے قبل بے باق کرالو[17] ان کو باوجود دشمن ہونے کے حق تھا کہ اپنے قرضے وقت پر واپس پائیں تعجیل ادا کے لئے مدیونوں سے کوئی نیا راضی نامہ کر لینے کا انہیں اختیار تسلیم کیا گیا۔ ان کی جائیداد غیر منقولہ جو صلحاً ہاتھ آئی تھی حکومت کی ملکیت ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے کچھ تو اپنے صرف خاص کیلئے رکھا اور باقی کو انصار کی اجازت لے کر صرف مہاجرین میں تقسیم فرمایا، بجز دو غریب انصاریوں کے اور دونوں مسلم نضیریوں کو بھی ان کی جائیداد واپس دیدی گئی۔ ایک ذیلی تفصیل یہ ہے کہ بنو النضیر کے محاصرے کے وقت اسلامی پڑاؤ ایسے مقام پر ڈالا گیا جو بنی النضیر اور بنی قریظہ کی بستیوں کے مابین تھا۔ منشا ظاہر ہے کہ یہ تھا کہ آخر الذکر کی خفیہ جنگی امداد کا ممکنہ انسداد کیا جائے۔ اس اسلامی پڑاؤ میں رسول کریم ﷺ کے خیمے کی جگہ ایک یادگار مسجد فضیخ موجود ہے۔ یہ خیمہ لکڑی کا تھا تاکہ تیرون سے محفوظ رہے۔

۔ طبری وغیرہ مفسروں نے آیت "لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں کوئی جبر نہیں)[18] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں انصار مدینہ میں رواج تھا کہ لاولد لوگ منت مانتے تھے کہ ان کی اولاد زندہ رہی تو اسے یہودی بنا دیں گے۔ بنی النضیر کے اخراج کے وقت ایسے متعدد نو عمر یہودی النسل یہودی بچے یہودیوں کے پاس تھے اور ان کو وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ انصار نے ان کو روک لینا اور جبراً مسلمان بنانا چاہا تو رسول اکرم ﷺ نے اس خلاف عہد سمجھ کر اجازت نہ دی۔[19] یہ خیال کرنا معقول ہو گا کہ اسلام اور یہودیوں کے تعلقات اب بہت کشیدہ ہو گئے تھے اور یہ کہ تبلیغ اسلامی کی کوششوں پر اب یہودی رد عمل اخلاق و تہذیب سے بھی گرتا جا رہا تھا کہ مسجد نبوی کے وعظوں میں ان کے برگشتہ نوجوانوں کا آکر دل کے پھپھولے پھوڑنا اور "السلام علیک (تجھ پر سلامتی) کی جگہ السام علیک" (تجھ پر موت) یا راعنا (ہم پر توجہ یا رعایت کر) کی جگہ بان مڑ کر "راعنا" کہنا (جس کے معنے عبرانی زبان میں ہوتے ہیں اے ہمارے بدمعاش) اور دل ہی دل میں خوش ہوتا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کی اس طرح توہین کی کہ

CC BY

انہیں یا کسی کو خبر نہ ہونے پائی اور اس طرح کی طفلانہ حرکتیں سرزد ہونے لگیں وہ خود دین اسلام کا بھی طرح طرح سے بھول کرنے لگے۔ رسول کریم ﷺ یہودی کریانہ فروشوں سے غلہ اُدھار بھی خرید فرمایا کرتے تھے۔ ان میں سے بھی بعض لوگ گستاخی اور بدزبانی سے پیش آتے۔ لیکن آپ ﷺ کا خلق عظیم ایک نمونہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے "السام علیک پر آپ ﷺ کی توجہ منعطف کرائی تو آپ ﷺ نے کہاہاں میں ان کو جواب میں "وعلیک" (اور تجھ پر بھی) کہہ دیتاہوں۔ راعت کے سلسلے میں قرآن نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ وہ ایک مترادف لیکن دوسرا لفظ "نظرنا" استعمال کیا کریں تاکہ یہودیوں کو ایک مروج محاورے سے بیجافائدہ اٹھانے اور خفیہ گستاخی کرنے کا موقع نہ رہے علانیہ کی ظاہر ہے کہ انہیں کیا جرات ہوتی) کرانہ فروش کے واقعہ میں مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر آپے سے باہر ہوگئے تھے۔ لیکن جناب رسالت مآب ﷺ نے یہودی تاجر کو اس کے حق سے زیادہ ہی رقم قرض کی ادائیگی میں دلا کر رخصت کیا۔ دین کی ٹھٹول پر بھی اپنی وسعت قلبی سے "جواب جاہلاں باشد خموشی سے زیادہ کچھ نہ کیا۔

البتہ قرآن مجید کی تازہ وحیوں میں یہود کے متعلق انداز بیان درشت تر ہوتا چلا گیا۔ ان پر ایک مذہبی کتابوں میں تحریف کرنے، پیسوں کی خاطر جھوٹے خلاف شرع فتوے اپنی ملت والوں کو دیکر انہیں گمراہ کرنے، سود خوری و حرام خوری، توریت کے احکام کو علی العموم پس پشت ڈالنے اور اپنے انبیاء تک کو بہ کثرت قتل کرنے وغیرہ کے ان پر الزامات لگائے گئے۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسی کی زبانی ان پر لعنت کئے جانے اور دیگر مماثل امور کا ذکر کرکے گویا مسلمانوں کو تشفی دی جانے لگی کہ یہ قوم سدا سے ایسی ہی رہی ہے۔

اس کے ایمان نہ لانے سے دلگیر نہ ہونا اور یہ کہ ان گراہیوں اور کفر ہی کے باعث ان پر ذلت اور مسکنت یعنی غریب الوطنی کا عذاب صدیوں سے نازل ہے۔ لیکن ان روز افزوں سیاسی کشیدگیوں کے باوجود ان کی کسی حق بات سے انکار نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ اور آخر تک یہی کہا جاتا رہا کہ توریت ایک ہدایت اور ایک خدائی کتاب ہے۔ یہودیوں کو اس کی کامل تعمیل کرنی چاہئے۔ یہودیوں اور دیگر اہل کتب کا ذبیحہ اور پکوان نیز ان کی لڑکیوں سے نکاح مسلمانوں کے لئے جائز قرار دیا گیا، جن چیزوں میں راست وحی کے ذریعے سے قانون سازی نہ ہوتی تو مسلمانوں کو یہود وغیرہ اہل کتاب کے عمل کے پابند رہنے کا حکم دیا گیا۔ جہاں قرآن میں اس کا نظری حکم ہے فبھدھم اقتدہ (یعنی اے محمد تو ان پیروں کے طرز عمل کی پیروی کر دوہیں بخاری اور ترمذی میں (مثلا بالوں کی مانگ نکالنے کے سلسلے میں) نظائر بھی موجود ہیں اور صریح تر حکم بھی ہے۔

بنو النضیر کو اپنی جلاوطنی پر بڑا دکھ ہوا۔ وہ خیبر جا کر بسے اور وہاں کے سردار سربرآوردہ لوگ بن گئے۔ لیکن ان کی ساری توانائیاں صرف انتقام کی تیاری میں خرچ ہونے، انہی کے وفد ایک طرف مکہ جا کر قریش کو حملہ کیلئے اکساتے اور اپنی مدد کا اطمینان دلاتے

CC BY

ہیں تو دوسری طرف غطفان فزارہ کے لٹیرے قبائل کو بھی مدینے پر حملے اور لوٹ کی چاٹ ولاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احزاب یعنی حلیفوں کا معرکہ خندق میں مدینے کا محاصرہ کرنے آنا ان یہودیوں ہی کی کوشش کے باعث تھا۔

مدینے کا معاشی مقاطعہ اور مدینے جانے والے قافلوں کو دومتہ الجندل وغیرہ میں ہراساں کرنا بھی انہی کے اثرات کی غمازی کرتا ہے۔ خندق کے محاصرے کے دوران میں بنو قریظہ کے یہودی جو ابھی مدینے میں تھے جی بن اخطب وغیرہ ان نضیری یہودیوں ہی کے ورغلانے سے دغابازی پر آمادہ ہوئے تھے۔ اور خندق کی معرکہ آرائی کے بعد بھی یہ مایوس ہوئے بغیر اپنی سازشوں میں لگے رہے۔

شوال 5ھ میں قریش واحزاب نے مدینے کا محاصرہ کیا۔ پیشگی اطلاع مل جانے کے باعث آنحضرت ﷺ نے مدافعت کے لئے شہر کے کھلے حصے میں خندق کھدوائی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اس میں بنو قریظہ نے سبل، پھاوڑے کدال وغیرہ اوزار مسلمانوں کو مستعار دیئے تھے[20] لیکن ان کی کسی عملی مدد کا پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ محاصرے کے آخری زمانے میں انہوں نے دغاہی کی تیاری کی اور صاف صاف پرانے عہد وپیمان کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا۔ مسلمان عورتیں بچے حتی کہ رشتہ داران نبی ﷺ جن گڑھیوں میں پناہ گزیں ہوئے تھے وہاں یہ منڈلانے اور بدنیتی سے مواقع تلاش کرنے لگے۔ بہر حال مسلمانوں کو زبردست سفارتی اور سیاسی جدوجہد کے باعث ان میں اور احزاب میں ایکانہ ہونے پایا اور جب قریش وغیرہ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے تو انہیں غداری کا وبال چکھنا ناگزیر تھا۔ ان کی بستی کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ اس میں شہر کے دیگر یہودیوں نے بھی مسلمانوں کی مدد کی۔ خاص کر بنو قینقاع کے باقی ماندہ یہودیوں نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنو قریظہ کے سلوک سے یہ دیگر یہودی نالاں تھے۔ کافی مدت کے بعد قریظہ والوں نے ہتھیار ڈالے اور اسے منظور کیا کہ ان کے سابق انصاری حلیف ان کے متعلق جو فیصلہ کریں وہ نافذ کیا جائے۔ بنو النضیر کی اُن کے حلیفوں نے جان بخشی کرائی تھی۔ بنو قریظہ کے حلیف ان کے پچھلے برتاؤ سے ناراض ہوں گے۔ انہوں نے حکم دیا کہ توریت میں مفتوح دشمن کے ساتھ جو برتاؤ کرنے کا یہودیوں کو حکم ہے وہی برتاؤ ان یہودیوں سے کیا جائے۔ رحمت اللعالمین ﷺ مجبور ہو گئے اور حکم دیا کہ ثالث کا فیصلہ نافذ کیا جائے یعنی تمام بالغ مرد قتل کر دیے جائیں اور عورتوں بچوں کو غلام بنا کر ان کی پوری جائیداد کو غنیمت بنالیا جائے۔ عورتوں کو قتل اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ لڑتی نہیں ہیں اور نہ اسی معرکے میں ایک یہودی عورت نے ایک گڑھی کے اوپر سے کچھ چکی کے پاٹ نیچے گرائے جس سے ایک انجان مسلمان سپاہی شہید ہو گیا۔ اس جنگی جرم کی سزا میں اس عورت کو بھی گرفتاری کے بعد سزائے موت دی گئی۔ مال غنیمت میں سے حکومت نے اپنے حصے کی لونڈیوں کو ہراج یعنی نیلام کر کے اس کی آمدنی سے شام اور نجد کے بازاروں میں اسلحہ اور گھوڑے خریدے۔ زمینیں، مکان، باغ وغیرہ جائیداد غیر منقولہ عام سپاہیوں میں بانٹ دی گی۔[21]

اب مدینے میں یہودی بہت کم رہ گئے۔ ان کی شرارتیں کم ہو گئیں تو اسلامی حکومت کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ انتہائی مرحمت کا ہو گیا۔ ان کے غریب قبائل کو سرکاری خزانے سے روزینے مقرر ہو گئے (جیسے بنو قریظہ مدینہ منورہ میں احد پہاڑ کے مشرقی سرے پر

CC BY

اب بھی ان کی بستی مسجد عریض کے نام سے موجود نظر آتی ہے) ان کو شہر میں تجارت و حرفت کی پوری آزادی رہی حتی کہ خود رسول اکرم ﷺ کی زرہ ادھار لینے کے باعث ایک یہودی کے پاس گروی تھی اور اسی حالت میں آپ ﷺ نے وفات پائی تھی۔ یہودی ہمسایوں کی آپ ﷺ مدارات کرتے اور بنفس نفس ان کے بیماروں کی عیادت کرتے۔ ان کے جنازے گلیوں میں سے گزرتے اور آپ ﷺ بیٹھے ہوتے تو موت کے خدائی فعل کے احترام میں اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔

اس بیان کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہود و منافقین کی نت نئی قاتلانہ سازشوں کے باعث مدینہ کی فضا کیسی رہتی تھی۔ اور حضور ﷺ کی زندگی کن خطروں میں گھری رہتی تھی مگر وہاں اعتماد علی اللہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہی خطرات و خدشات کے پیش نظر صحابہ کرام نے حفاظتی پہرے کا انتظام کیا۔ مگر حضور ﷺ نے اللہ تعالی کے اس وعدے کے مطابق کہ واللہ یعصمک من الناس (اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا) اس وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر فرمایا:

"لوگو! واپس چلے جاؤ، میری حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لے لیا ہے۔"

یہ وہی ایمان تھا جو حضور ﷺ کے خلاف ارادہ قتل کر کے گرفتار ہو جانے والے ایک مجرم کے سامنے بھی ظاہر ہوا۔ جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"اسے چھوڑ دو! کیونکہ یہ مجھ کو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا"

ذرا انسانیت کے اس معمار کے مقام کا تصور کیجئے کہ جس کے گرد قتل کی سازشیں عشق پیچاں کی بیلوں کی طرح نشو و نما پاتی تھیں اور فتنے تیندوے کی تاروں کی طرح پھیلے تھے۔ مدینہ میں کچھ کڑے بیٹھے تھے اور دن رات وہ پیشہ شجاعت کے شیر کا شکار کرنے کیلئے جائے تفتے رہتے تھے۔

یہود نے بدر سے لیکر خندق تک جو سلوک ریاست مدینہ کے ساتھ کیا وہ اس کے مستحق تھے کہ انہیں کم از کم ریاست بدر کر دیا جائے۔ لیکن انہوں نے اپنی محرکات کا سلسلہ جاری رکھا اور خیبر میں ایک طرف قریش سے ساز باز رکھی تو دوسری طرف ہرقل روم کو بھی مسلمانوں کے خلاف امادہ کیا۔ تبوک کے موقع پر حالات کچھ عجیب تھے۔ قحط کا زمانہ تھا۔ درختوں میں پھل تیار تھے۔ موسم سخت گرم تھا۔ فوج بڑی تعداد میں زیادہ فاصلے پر روانہ کی جانی تھی۔ مگر مالیات کا پہلو کمزور تھا۔ اور سواری، ساز و سامان اور نان و نفقہ کی حد درجہ قلت تھی۔ اس لئے اسے "جیش عسرت" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ منافقین نے اس حالت کو دیکھ کر اور یہ اندازہ کر کے اس معرکے میں غنیمت ہاتھ آنے کا کم ہی امکان ہے، عدم تعاون کی پالیسی اختیار کی اور جھوٹے عذر گھڑ گھڑ کر بیٹھ رہے۔ اس پہلو سے اسے غزوہ فاضحہ (یعنی منافقین کا پول کھول دینے والا معرکہ) بھی کہتے ہیں۔ عذرات کی مضحکہ انگیز نوعیت کا اندازہ اس سے ہو سکے گا کہ الجد بن قیس نے آکر حضور سے کہا کہ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں کی طرف بہت زیادہ رغبت ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ بنی الاصفر کی عورتوں کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ لہذا مجھے معذور رکھئے۔ یہ لوگ خود تو رہے ہی تھے، ہر کسی سے کہتے

CC BY

پھرتے تھے کہ خدا خدا کرو، دیوانے ہو گئے ہو۔ اس جھلستی گرمی میں تم جہاد کرنے چلے ہو۔ او قالوا لا تنفروا فی الحر انہوں نے ایک اڈا سویلم یہودی کے مکان پر بنا رکھا تھا۔ اس میں لوگ جمع ہوتے تو ان کو غزوہ میں جانے سے روکتے۔ آخر اس اڈے کا ناپاک وجود ہی ختم کر دیا گیا۔ ادھر عبد اللہ بن ابی کی فعال شخصیت نے علیہ الوداع میں ذہاب کی جانب یہودیوں اور منافقوں پر مشتمل الگ لشکر شر پسندانہ مقاصد کیلئے ترتیب دے لیا۔ جو خاصی تعداد میں تھا۔ لیکن یہ لشکر حضور ﷺ کے ساتھ روانہ نہ ہو سکا۔

پھر لشکر کی روانگی کے بعد ان لوگوں نے ایک اور فتنہ پیدا کر دیا۔ حضور ﷺ نے حضرت علی کو اہل بیت کی دیکھ بھال کیلئے بطور ذاتی نائب کے چھوڑا تھا۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ آج کل محمد ﷺ کی طبیعت حضرت علی کے بارے میں مکدر ہے اسی لئے ان کو ساتھ نہیں لیا۔ حضرت علی کی غیرت کو اس نشتر نے ابھار دیا۔ اور ہتھیار لگا کر آپ حضور پاک ﷺ سے جا ملے۔ اور منافقین کی شر انگیزی کا قصہ بیان کیا۔ حضور ﷺ نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس بھیجا کہ مدینہ میں ان لوگوں سے خدشہ ہے۔

تبوک پہنچ کر ساتھ جانے والے منافقین (اور کچھ نہ کچھ تعداد فتنہ انگیزی کیلئے ہمیشہ شریک ہوتی تھی نے حق کے سپاہیوں کو یہ کہہ کر ڈرانا شروع کیا کہ بنو اصفر کے شیر دل جنگ آزماؤں کو م لوگوں نے عربوں پر قیاس کر رکھا ہے۔ کل تم پر اپنی غلط فہمی کا حال کھل جائے گا جبکہ تم سب کے سب غلام بن کے جکڑے ہوئے ہوئے۔ باز پرس کی گئی تو کہنے لگے کہ ہم تو مذاق مذاق میں کچھ باتیں کر رہے تھے کوئی سنجیدہ معاملہ نہ تھا۔ رومی لشکر تو آیا ہی نہیں تھا۔ لیکن اس مہم سے ایک طرف رومیوں کو اندازہ ہو گیا کہ مدینہ پوری طرح چوکنا ہے اور ہمارے مقابلے پر آنے کی طاقت رکھتا ہے۔ دوسری طرف ایلہ، جربا اور دومتہ الجندل کے علاقے زیر اثر آ جانے سے بیرونی حملہ کے امکانات کم ہو گئے۔ اس سفر میں دو مواقع پر حضور ﷺ نے چشموں سے بلا اجازت پانی پینے سے فوج کو منع کر دیا تھا۔ لیکن بعض منافقوں نے حکم عدولی کر کے اپنے دلی روگ کو عیاں کر دیا۔ اسی سفر میں عقبہ کے مقام پر حضور ﷺ کو ہلاک کر دینے کی ناکام سازش کی گئی۔

اہل نفاق کی اتنی غداریوں اور سازشوں کے باوجود حضور ﷺ اس مہم میں کامیابی حاصل کر کے واپس ہوئے اور بڑی شان سے آپ ﷺ در گزر کرتے گئے۔ تین مخلص ساتھی کعب بن مالک۔ بلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جو تساہل کی وجہ سے رہ گئے تھے، انہوں نے اعتراف قصور کیا اور اُنہیں پچاس دن تک حکم الہیٰ کے انتظار میں معاشرہ سے الگ رہنا پڑا۔ اس امتحان سے یہ لوگ اس خوبی سے گزرے کہ انہوں نے اپنے آپ کو زریں کردار سے مالامال کر لیا۔ ان کی سچی توبہ قبول ہوئی۔ مگر منافق کہتے تھے کہ عجب بے وقوف لوگ ہیں ہماری طرف کوئی عذر کر دیتے، خواہ مخواہ اپنے آپ کو وبال میں ڈال لیا ہے، اب بھگتیں۔

اندازہ کیجئے کہ اسلامی ریاست اور اسلامی تحریک کو کیسے کیسے سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور نوع انسانی کو فلاح کا راستہ دکھانے والی ہستی کو پیروان موسیٰ اور ان کی امت کے منافقین کے ہاتھوں کیسی کیسی غدارانہ کارروائیوں سے سابقہ پیش آیا۔

مگر اسلامی ریاست کا پھیلاؤ بڑھتا ہی گیا۔ تحریک حق کی شعاعیں فضا میں پھیلتی ہی چلی گئیں اور محمد ﷺ کا پیغام گونجتا ہی چلا گیا۔ اخلاص پھولا اور پھلا، مگر غداریوں کے جھاڑ جھنکار پھل تو کیا لاتے، ان کی جڑیں ہی کھد گئیں۔

OPEN ACCESS
CC BY

[1]۔ محمد ہاشم، الغوری: تاریخ نجد و حجاز، مکتبہ دار اندس اردو بازار لاہور، 1999ء، ص2

[2]۔ محمد ہاشم: تاریخ نجد و حجاز، مکتبہ دار اندلس اردو بازار لاہور، 1999ء ص54

[3]۔ ابن النجار: تاریخ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1989، ج ا، ص200

[4]۔ نسفی، ابو عبداللہ بن عمر، تفسیر النسفی، مطبوعہ دار القلم بیروت، 1997ء، ج سوم، ص212

[5]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر: عہد نبوی کا نظام حکمرانی، بیکن بکس ملتان، 2005، ص36

[6]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: صحیح البخاری، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی 1961ء جلد دوم، ص95

[7]۔ ملاحظہ کیجئے القرآن الکریم سورۃ الحجرات: آیت:13

[8]۔ ابن ہشام: سیرت ابن ہشام، مطبوعہ مسعود پبلشنگ کمپنی کراچی، 2002ء ج2، ص545

[9]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، مطبوعہ بیکن بکس، 2005ء ص950

[10]۔ ایضا

[11]۔ ابن ہشام: سیرت ابن ہشام، مطبوعہ مسعود پبلشنگ کمپنی کراچی، 2002ء جلد2 ص50

[12]۔ ملاحظہ کیجئے القرآن الکریم سورت البقرہ: آیت:122

[13]۔ ملاحظہ القرآن الکریم سورت البقرہ آیت:62

[14]۔ ابن کثیر، علامہ، تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ بدار احیاء الکتب العربیہ، عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاء، ج1 ص5

[15]۔ ابن ہشام، سیرۃ ابن ہشام، مطبوعہ، مسعود پبلشنگ کمپنی کراچی، 2002، ج2، ص95

[16]۔ ابن کثیر، علامہ، تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ بدار احیاء الکتب العربیہ، عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاء0، ج5، ص

[17]۔ السرخسی: السیر کبیر، دار الفکر بیروت، 1996، ج3، ص229

[18]۔ القرآن الحکیم سورۃ البقرہ: آیت:256

[19]۔ ابن جریر، طبری، تفسیر ابن جریر، مطبوعہ دار القلم، بیروت، 1408ھ، 1988ء، ج4، ص52

[20]۔ محمد ہاشم، الغوزی، تاریخ نجد و حجاز، مکتبہ اندلس، اردو بازار لاہور 1999ء جلد1، ص22

[21]۔ ابن ہشام: سیرۃ ابن ہشام، مطبوعہ مسعود پبلشنگ کمپنی کراچی، 2002، ج ا، ص34

CC BY